HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 3 (January-March 2024)
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Muslim-Sikh Dialogue: A Comparative Study of the Teachings of Baba Farid and Baba Nanak

مسلم سکھ مکالمہ: بابا فرید اور بابا نانک کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ

Zohaib Ahmad
Assistant Professor, Department of World Religions and Interfaith Harmony, the Islamia University of Bahawalpur, Pakistan, zohaib.ahmad@iub.edu.pk

Saeed Ahmed
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, the Islamia University of Bahawalpur, saeedperdeesi@gmail.com

Muhammad Adnan
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, the Islamia University of Bahawalpur, Pakistan, madnankhursheedi786@gmail.com

Abstract

Sikhism, rooted in its fervent belief in the oneness of God, exhibits a close affinity with monotheistic religions such as Islam, which, despite its origin elsewhere, became an integral part of the Indian cultural fabric. Similarly, certain rituals within Sikhism showcase a profound connection with Hinduism, a religion that originated and flourished in India. Guru Nanak, the founder of Sikhism, received education from both Hindu and Muslim teachers. His learning encompassed not only the mysteries of both religions but also their practical dimensions. During his extensive travels, he encountered many followers of Baba Farid. Subsequently, as Sikhism evolved into a distinct religion, the works

CC BY

of Farid were incorporated into the Adi Granth, the sacred book of Sikhs. The birth of Sikhism sparked discussions not only among the general populace but also within academic circles. Scholars grappled with the question of whether Sikhism was an entirely new religion or a synthesis of Islam and Hinduism. While these debates spurred new research in the field of religious studies, they also led to divisions among scholars, fostering a culture of polemics. Unfortunately, this emphasis on polemics resulted in a neglect of the crucial subjects of interfaith dialogue and interreligious harmony. By examining previous works on the subject and delving into the teachings of Baba Farid and Baba Nanak as interpreted by followers of both religions, this study argues that, as proponents of love, peace, and humanity, they advocate for dialogue rather than polemics. Their teachings offer a framework for interfaith dialogue that promotes brotherhood and mutual harmony.

Keywords: Muslim-Sikh Dialogue, Baba Farid, Baba Nanak, Islam, Sikhism, Interfaith harmony

تعارف

سکھ مت ایک طرف تو اپنے عقیدہ توحید کی وجہ سے ہندوستان میں باہر سے آنے والے موحدانہ مذاہب خاص طور پر اسلام کے قریب سمجھا جاتا ہے اور دوسری طرف اپنی بعض رسومات کی وجہ سے ہندومت سے اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ سکھ مت کے بانی بابا نانک نے ہندو، مسلم دونوں اساتذہ سے تعلیم پائی اور دونوں مذاہب کو نہ صرف سمجھنے بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی بھی کی۔ ان کی متعدد ملاقاتیں بابا فرید کے خلفا اور پیروکاروں سے ہوئیں اور جب ہندوستان میں سکھ مت کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی تو گرنتھ صاحب میں بھی بابا فرید کے اشعار کو جگہ دی گئی۔ جس طرح سکھ مت وجود میں آیا اس سے نہ صرف عوامی سطح پر بلکہ علمی حلقوں میں بھی یہ بات جاننے کی کوشش کی جانے لگی آیا کہ سکھ مت ایک جداگانہ مذہب ہے یا یہ ہندومت اور اسلام سے مستعار ہے۔ اس بات نے جہاں مذہبی اسکالرز کو ایک نیا موضوعِ تحقیق فراہم کیا وہیں ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم بھی کر دیا جس سے ایک مناظرانہ فضا نے جنم لیا۔ نتیجتاً بین المذاہب مکالمے کے موضوع کو اس شورش میں نسبتاً کم حصہ ملا۔ سکھ مت اور

OPEN ACCESS
CC BY

اسلام پر اس حوالے سے ہونے والے کام کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے زیر نظر تحریر اس بات کو اجاگر کرے گی کہ مسلمان اور سکھ دونوں اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ بابا فرید اور بابا نانک کا مقصد لوگوں میں خوشگوار تعلقات قائم کرنا اور اخلاقیات و انسانیت کا پرچار تھا۔ وہ مناظرے کی بجائے مکالمے کے حامی تھے۔ ان کی تعلیمات عصر حاضر میں مسلم، سکھ مکالمے کی بنیاد بنا کر باہمی تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

بین المذاہب تعلقات اور مسلم سکھ مکالمہ

بین المذاہب تعلقات کو فروغ دینے میں مکالمہ ایک بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مناظرے، جس کا مقصد کسی ایک فریق کو دلائل کے ذریعے زیر کرنا ہوتا ہے، کے برعکس باہمی ہم آہنگی اور تعاون کی فضا کو سازگار بناتا ہے۔ یہ سکھاتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کی مذہبی تعلیمات سے کس طرح استفادہ کر سکتا ہے۔[1] یہ ایک طرف تو دو مختلف مذہبی گروہوں کو باہمی اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے میں مدد فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف ان حقائق کو سامنے لاتا ہے جو تعصب اور نفرت کی وجہ سے پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ ہندو مسلم مکالمے کی طرح سکھ مسلم مکالمہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک اہم اور توجہ طلب موضوع ہے جس پر اگرچہ کم مگر مختلف محققین کی تحریریں موجود ہیں۔ مثلاً این امجد جی نے **تاریخ سکھ مت** کو اس لیے تصنیف کیا کہ سکھ مذہب کے مقاصد و مطالب یعنی انسانی ہمدردی، اخوت، اور بھائی چارے کے پرچار کو اجاگر کر کے یہ بات واضح کر دیں کہ اسلام اور سکھ مت کس طرح ایک دوسرے کے قریب ہیں۔[2] چنانچہ اسلامی عقائد اور سکھ نظریات میں مماثلتیں بیان کر کے انہوں نے باہمی تعاون اور اعتماد کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ **جب جی صاحب** اور **سکھ منی صاحب** کا اردو ترجمہ کرتے وقت خواجہ دل محمد نے اس بات کو مقدمے میں واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اس کلام پر اس لیے کام کیا ہے کہ "سکھ صاحبان کے علاوہ دیگر اردو دان حضرات ہندو مسلم عیسائی وغیرہ بھی پڑھیں۔ اور اس سے مستفید ہوں۔"[3] سکھ مسلم مکالمے میں تصوف کے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے یوگندر سکند نے اپنے مقالے Sikh-Muslim Harmony: Contributions of Khwaja Hasan Nizami میں خواجہ حسن نظامی (1873-1955) کی کاوشوں کو ایک مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔ تاہم انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے کہ نظامی نے بھی بہت سے دوسرے محققین کی طرح یہ ثابت کرنے کی بھی

---

[1] Gerard Mannion and Mark Chapman, Interfaith Dialogue: Global Perspectives (New York: Palgrave Macmillan, 2016), vii.

[2] این امجد جی، **تاریخ سکھ مت** (لاہور: اسلامی مشن، 1982)، 6۔

[3] خواجہ دل محمد، **جب جی اور سکھ منی صاحب** (امرتسر: جھجو رام مالک جے گوپال بک ڈپو، س۔ن)، 3۔

OPEN ACCESS
CC BY

کوشش کی ہے کہ بابا نانک مسلمان تھے۔ سکند کے خیال میں نظامی کے اس بیان کے پیچھے سیاسی وجوہات بھی پوشیدہ تھیں۔[4] اسی طرح اس موضوع پر مزید تحریریں بھی دستیاب ہیں تاہم بابا فرید اور گرونانک کے تقابلی مطالعے کے ذریعے بین المذاہب مکالمے کی کوششیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ البتہ بابا فرید کی شاعری کے اثرات سکھ مت پر بیان کر کے اس کے اسلام سے تعلق واضح کرنے اور اس کی سند کو پرکھنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔

اپنے ایک مقالے میں Kaj Bjorkqvist اور ان کے ساتھ محققین اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ عصر حاضر میں بھی ماضی کے مسلم سکھ تنازعات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔[5] روبینہ شعیب اور ان کے ساتھی محققین بھی اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ ماضی میں کچھ مسلمانوں اور ہندوؤں نے خالصتاً سیاسی وجوہات پر اور شعوری طور پر ایسی کاوشیں کی ہیں جن سے مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان تعلقات بری طرح متاثر ہوئے۔ اگرچہ اس کی وجوہات سیاسی تھیں تاہم اس معاملے میں مذہبی اختلافات کو ہوا دیتے ہوئے ان گروہوں نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے۔[6] 1947 میں ہونے والی سکھ مسلم خونریزی بھی یہی سبق دیتی ہے کہ یہ ہولناک تاریخ اپنے آپ کو نہ دوہرائے۔ اسی لیے دونوں مذاہب کے باہمی تعلقات میں پیدا ہونے والی دراڑوں کو پُر کرنے، سلگتی ہوئی چنگاریوں کو آگ بننے سے روکنے اور باہمی اخوت و بھائی چارے کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ سکھ مسلم مکالمے کی ناگزیریت کو مدنظر رکھ کر اس پر قلم اٹھانا تقاضہ وقت ہے۔ زیر نظر تحریر بھی اسی موضوع کو اجاگر کرنے کی ایک سعی ہے۔ تاہم پہلے یہ جاننا بھی اہم ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام اور سکھ مت کے تعلقات پر کس نوعیت کا کام ہو رہا ہے؟ اور اس کے نتائج کیا ہیں؟ چونکہ ہندومت، برصغیر میں ایک بڑا مذہبی فریق ہے اور اس کی تعلیمات کا سکھ مت کے ساتھ ایک گہرا ربط ہے لہٰذا، ذیل میں تقابلی نقطہ نظر سے اسلام کے ساتھ ساتھ سکھ مت کے ہندومت سے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈالی گئی ہے۔

سکھ مت کا اسلام اور ہندومت کے ساتھ تعلق

اپنے آغاز کے اعتبار سے برصغیر کے مذاہب کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے گروہ میں ہندومت،

---

[4] Yoginder Sikand, "Sikh-Muslim Harmony: Contributions of Khwaja Hasan Nizami," *Economic and Political Weekly* 39, no. 11 (2004): 1113.

[5] Kaj Björkqvist et al., "Physical, verbal, and indirect aggression among Hindu, Muslim, and Sikh adolescents in India," in *Prevention and Control of Aggression and the Impact on its Victims*, ed. Manuela Martinez (Boston, MA: Springer US, 2001), 374.

[6] Robina Shoeb, Tauqeer Ahmad Warriach, and Muhammad Iqbal Chawla, "Mughal-Sikh Relations: Revisited," *Journal of Research Society Pakistan* 52, no. 2 (2015): 165.

CC BY

بدھ مت، جین مت اور سکھ مت یعنی ایسے مذاہب شامل ہیں جو اسی تودہ خاک سے اٹھے اور تاریخ کے صفحات پر اپنا آپ تحریر کرتے چلے گئے جبکہ دوسرے گروہ میں اسلام، عیسائیت، یہودیت، زرتشت مت اور مجوسیت وغیرہ شامل ہیں جو باہر سے یہاں آئے۔ اول الذکر مذاہب میں اگرچہ بہت سی باتیں مشترک ہیں[7] مگر سکھ مت میں ایک قدر ایسی بھی موجود ہے جو اسے دیگر غیر سامی ادیان سے جدا کرتی ہے۔ سکھ مت کی بنیاد بابا نانک نے چونکہ توحید پر رکھی تھی[8] اس لیے سکھ مت، ہندوستانی مذاہب سے قربت کے ساتھ ساتھ اپنا رشتہ سامی مذاہب، خاص طور پر اسلام،[9] سے بھی استوار کرتا ہے۔[10] نہ صرف عقیدہ توحید بلکہ تصوفِ اسلامی کی جھلکیاں بھی سکھ مت میں نظر آتی ہیں۔[11] صاحبِ **دبستان مذاہب** رقم طراز ہیں کہ "نانک توحید باری کا اور ان باتوں کا جو شریعت محمدی میں بیان کی گئی ہیں، قائل تھا اور تناسخ کا بھی عقیدہ رکھتا تھا۔"[12] حامد حسین اپنی کتاب **تصوف اور بھکتی تحریک** میں جہاں تصوف اور بھکتی تحریک کے سکھ مت پر اثرات کی بات کرتے ہیں وہاں وہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ "قرآن پاک میں سورت الفاتحہ اور ملمنترا، آدی گرنتھ میں حیرت انگیز مشابہت ہے۔"[13] اسی طرح اپنی بعض رسومات اور عقائد کی وجہ سے سکھ مت اپنی قربت ہندومت سے بھی ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً 1880ء تک سکھ خود کو ہندوؤں کا ہی ایک حصہ سمجھا کرتے تھے اور انیسویں صدی کے وسط تک دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان آپسی شادیوں کا بھی عام رواج تھا۔[14] اس سے پتہ چلتاہے کہ ابتدا میں ہندو اور سکھ ایک دوسرے کے قریب ہونے کی وجہ سے ثقافتی اور خانگی بندھنوں میں بندھے ہوئے تھے جن کی بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح عقیدہ توحید کا پرچار، جو کہ اسلام اور سکھ مت کا نقطہ آغاز بھی ہے اور نقطہ انجام بھی، دونوں مذاہب میں مشابہت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سکھ مت اور اسلام میں مماثلتیں ہونے کے باوجود سکھ مت کے پیروکار اسے ایک الگ مذہب سمجھتے ہیں جو اسلام اور ہندومت سے جدا ہے۔ اس بات کو سامنے لانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خدا تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔ اس بارے میں بھکتی تحریک اور تصوف، خدا کے ساتھ براہ راست کلام کی بات کرتے ہیں۔ دارا شکوہ (1615-1659) یہ کہتا ہے کہ ہندوؤں اور

---

[7] Vinayak Damodar Savarkar, *Hindutva: Who is a Hindu?* (Bombay: Veer Savarkar Prakashan, 1969).

[8] Jagraj Singh, *A Complete Guide to Sikhism* (Unistar Books, 2009), 188.

[9] اسلام میں عقیدہ توحید پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور شرک سے منع کیا گیا ہے۔ درحقیقت اسلام کی بنیاد ہی عقیدہ توحید پر استوار کی گئی ہے (القرآن 4:36; القرآن 21:25)۔

[10] اس موضوع پر مزید جاننے کے لیے دیکھیے:

Rajinder Kaur Rohi, *Semitic and Sikh Monotheism: A Comparative Study* (Patiala: Publication Bureau, Punjabi University, 1999).

[11] Ishtiaq Ahmed, *The Politics of Religion in South and Southeast Asia* (New York: Taylor & Francis, 2011), 78.

[12] کیخسرو اسفندیار، **دبستان مذاہب** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2002)، 228۔

[13] Hamid Hussain, *Sufism and Bhakti Movement: Eternal Relevance* (Delhi: Manak Publications Private, Limited, 2007), 118.

[14] Paul R. Brass, *Language, Religion and Politics in North India* (Lincoln: iUniverse, 2005), 282.

مسلمانوں میں سوائے اصطلاحی اختلافات کے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ کبیر (پندرہویں صدی) اور دادو(1544-1603) یہ کہہ گئے ہیں کہ اللہ، رام اور رحیم ایک ہی ہستی کے مختلف نام ہیں۔ اسی طرح بابانانک بھی انسان کو خدا سے ملوانے کی سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ استدلال بھی کیا جاتا ہے کہ وہ نہ ہی اسلام کو نہ ہی ہندومت کو ختم کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی وہ کسی نئے مذہب کے متلاشی تھے۔ تاہم ان کی کاوشوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں سکھ مت ایک جداگانہ مذہب کے طور پر ابھرا اور اس نے اپنی ایک الگ شناخت قائم کی۔[15] جب برصغیر پر انگریز حکمران بنے تو انہوں نے بھی سکھ مت کی گروہ بندی ایک علیحدہ مذہب کے طور پر کی۔

سکھ مت کے بارے میں درج بالا دونوں قسم کی آرا نے مذہبی مفکرین کو اس بات کی طرف مائل کر دیا کہ وہ سکھ مت کے بارے میں تحقیق کر کے حقائق لوگوں کے سامنے لانے کی کوشش کریں اور یہ دیکھیں کہ خصوصا اسلام اور ہندومت نے سکھ مت کی تشکیل میں کیا کردار ادا کیا۔[16] ان کاوشوں نے محققین کو کم از کم تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو اس بات کی طرف زیادہ مائل نظر آتا ہے کہ سکھ مت خود میں ایک جداگانہ مذہب نہیں تھا بلکہ اس کی تعلیمات ہندومت اور اسلام سے مستعار ہیں۔[17] دوسرا گروہ ان مفکرین کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ سکھ مت میں اگرچہ دوسرے مذاہب سے ملتی جلتی چیزیں موجود ہیں تاہم یہ خود میں ایک جداگانہ مذہب ہے[18] اس نقطہ نظر کے حامیوں کا یہ کہنا ہے کہ مغربی مفکرین سے سکھ مت کو سمجھنے میں غلطی ہوئی اور انہوں نے سکھ مت کو اسلام اور ہندومت کا ایک مجموعہ سمجھ لیا۔ درحقیقت، سکھ مت خود میں ایک جداگانہ مذہب ہے۔ بابانانک کے لیے ہندو، مسلم عقائد درست یا غلط دونوں ہو سکتے تھے۔ اگر یہ دونوں مذاہب اندرونی کیفیات اور زہد کی باتیں کرتے تو ان کے لیے یہ درست تھیں اور اگر یہ بیرونی علامات مثال مندروں اور مساجد کی بات کرتے تو یہ ان کے لیے غلط تھیں۔[19] سکھ مت کے پیروکار بھی اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ ان کا مذہب براہ راست خدا کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں تیسرا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے کچھ مصنفین یہ بات بھی کرتے ہیں کہ ابتدا میں سکھ مت ایک علیحدہ مذہب نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ اس نے اپنی جداگانہ حیثیت قائم کر لی۔ خاص طور پر بابانانک کے پہلے چاروں خلفاء انگد، (1539-1552) امرداس، (1552-1574) رام داس، (1574-1581) اور ارجن (1581-1606) نے سکھ مت کی علیحدہ شناخت قائم

[15] W.T.D.B. Stephen N Hay, *Sources of Indian Tradition* (Delhi: Motilal Banarsidass Publishers (Pvt. Limited), 1988), 539.
[16] W. H. McLeod, "The Influence of Islām upon the Thought of Gurū Nānak," *History of Religions* 7, no. 4 (1968).
[17] Tarak Barkawi, *Soldiers of Empire* (Cambridge: Cambridge University Press, 2017), 24; Lucius Boraks, *Religions of the East* (Kansas: Rowman & Littlefield Publishers, Incorporated, 1988), 53.
[18] Michael Angelo, *The Sikh Diaspora: Tradition and Change in an Immigrant Community* (New York: Garland Pub., 1997), 182.
[19] W.H. McLeod, *The A to Z of Sikhism* (Lanham: Scarecrow Press, 2009), xxi.

کرنے میں اپنا حصہ ڈالا۔[20]

سکھ مت کے پیروکار چونکہ اسے ایک جداگانہ مذہب کے طور پر شناخت کرتے ہیں اس لیے وہ ان آرا کو تسلیم نہیں کرتے جن کے مطابق سکھ مت اسلام اور ہندومت سے مستعار سمجھا جاتا ہے۔ نتیجتاً ہوا یہ کہ فطرتی طور پر ان آرا کا جواب دینے کے لیے سکھ مؤلفین نے بطور خاص اپنی کتب میں سکھ مت کو ایک علیحدہ مذہب کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔[21] USA Patriot Act 2001 میں بھی سکھ مت کو خصوصاً ایک علیحدہ مذہب کے طور پر شناخت کیا گیا جس کے اپنے عقائد اور رسوم و رواج ہیں۔[22] آراء کے اس اختلاف نے علمی حلقوں میں ایک مناظرانہ فضا کو جنم دیا ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں "اشلوک شیخ فرید جی کے" کے نام سے ایک باب موجود ہے جس میں 112 کے قریب اشلوک شامل ہیں۔ مشہور مؤرخ خلیق احمد نظامی (1925-1997) کے مطابق ان اشلوک کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ ایک نظریہ تو یہ ہے کہ یہ اشلوک شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اشلوک شیخ ابراہیم (1450-1575) کے ہیں جو بابا گرونانک کے ہمعصر تھے۔ تیسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ یہ اشلوک دونوں بزرگوں ہی کے ہیں۔[23] ولیم میکلوڈ (1932-2009) کے خیال میں آدی گرنتھ میں موجود اشلوک اس بات کا عندیہ دیتے ہیں کہ یہ کلاسیکل تصوف جو کہ بابا فرید کے دور میں رائج تھا سے متاثر نہیں بلکہ سَنَت تصورات سے متاثر ہیں۔[24] اس کے برعکس نامور محقق کرپال سنگھ اور ظہور احمد اظہر اس بات کے حامی نظر آتے ہیں کہ آدی گرنتھ میں شامل اشعار کے خالق بابا فرید ہیں نہ کہ شیخ ابراہیم۔ حقیقت کچھ بھی ہو یہ اشلوک بابا فرید کے نام منسوب ہیں۔ سکھ مت کے پیروکار انہیں بابا فرید کے اشلوک مانتے ہیں۔ عصر حاضر کی ضرورت یہ ہے کہ سکھ مت پر اسلام یا ہندومت کے اثرات ثابت کرنے کی بجائے اس بات کی طرف زیادہ توجہ دی جائے کہ ان مذاہب کے پیروکار باہمی محبت اور اخلاص کے ساتھ کس طرح آپس میں رہ سکتے ہیں؟ ذیل میں بابا فرید اور بابا نانک کی مختصر سوانح عمری اور تعلیمات کا ایک خاکہ موجود ہے جن سے بین المذاہب ہم آہنگی کا درس ملتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ کس طرح انہوں نے روایت سے اپنا رشتہ قائم رکھتے ہوئے بین المذاہب مکالمے کی فضا کو قائم کیا۔ اس حصے میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ مسلمانوں اور سکھوں یعنی دونوں مذاہب کے محققین کے

[20] Stephen N Hay, *Sources of Indian Tradition*, 539.

[21] Rajwant Singh Chilana, *International Bibliography of Sikh Studies* (Dordrecht: Springer Netherlands, 2005), 429; Satwant Kaur Rait, *Sikh Women in England: Their Religious and Cultural Beliefs and Social Practices* (Oxford: Trentham Books and the Community Religions Project, 2005), 1; Fabrizio Ferrari, *Health and Religious Rituals in South Asia: Disease, Possession and Healing* (New York: Taylor & Francis, 2011), 49.

[22] Surinder Singh Bakhshi, *Sikhs in the Diaspora* (Birmingham: Sikh Publishing House, 2009), 10.

[23] Khaliq Ahmad Nizami, *The Life and Times of Shaikh Farid-u'd-Din Ganj-i-Shakar* (Aligarh: Muslim University Aligarh, 1955), 121.

[24] McLeod, "The Influence of Islām upon the Thought of Gurū Nānak," 306-07.

OPEN ACCESS
CC BY

نظریات کو جگہ دی جائے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ دونوں مذاہب کے لوگ بابا فرید اور بابا نانک کے متعلق کس قسم کی رائے رکھتے ہیں۔

تعلیماتِ بابا فرید

"مجھے سوئی دو، میں سینے (جوڑنے) کے لیے آیا ہوں۔ میں کاٹتا نہیں ہوں۔"[25]

مختلف روایات کے مطابق بابا فرید کا سن پیدائش 1173 یا 1175 مانا جاتا ہے۔ ان کا اصل نام مسعود تھا تاہم بعد میں وہ بابا فرید اور فرید الدین گنج شکر کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام قرسم بی بی تھا جو کو ایک متقی اور دیندار خاتون تھیں۔ والدہ کی گود ہی بابا فرید کی اولین درسگاہ تھی۔ کھتوال میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ملتان چلے گئے اور شیخ منہاج الدین کے مدرسے میں داخل ہو گئے۔ یہاں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور فقہ اور ترمذی کا درس لیا۔ بعد ازاں، آپ خواجہ بختیار کاکی (1173-1235) کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر دلّی آ گئے۔ خواجہ بختیار کاکی، معین الدین چشتی اجمیری (1142-1236) کے مرید تھے۔ بختیار کاکی نے آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ آپ ابتدا ہی سے متقی اور پرہیز گار تھے اور اپنا زیادہ وقت یادِ الٰہی میں صرف کرتے تھے۔ وفات کے وقت انہوں نے بابا فرید کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ اپنے مرشد کے وصال پر وہ دلّی میں موجود نہیں تھے تاہم ان کی وصیت کے مطابق واپس تشریف لائے اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ سیر و سیاحت کی نظر کیا تاہم بالآخر اجودھن، موجودہ پاک پتن، کو جائے قیام پسند کیا اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

انہوں نے ایک جماعت خانہ قائم کیا جس میں درویشوں کی بڑی تعداد موجود ہوتی اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتی۔ دوسری درگاہوں کی طرح بابا فرید کا جماعت خانہ بھی ہندوستان کا ایک بڑا روحانی مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ یہ ایک بڑے سے کمرے پر مشتمل تھا جہاں ہر خاص و عام کو ایک سی فوقیت اور وسائل حاصل تھے۔[26] یہاں تعلیم پانے والوں کو تصوف کی عملی تربیت دی جاتی تھی۔ جماعت خانے کی خوبی یہ تھی کہ یہ لوگوں سے الگ تھلگ نہیں بلکہ معاشرے کے درمیان بنایا گیا تھا تاکہ لوگ تارک الدنیا ہونے کی بجائے معاشرے میں رہ کر نہ صرف خدا کے احکام کی بجا آوری کریں بلکہ عوام الناس سے بھی اپنا تعلق قائم رکھیں۔ اس ضمن میں نصیر احمد جامعی لکھتے ہیں:

[25] بابا فرید کے ایک مرید نے ایک دفعہ انہیں تحفے میں قینچی پیش کی تو انہوں نے یہ بات کہی کہ ان کا کام جوڑنا ہے کاٹنا نہیں۔ دیکھیے: نصیر احمد جامعی، **حضرت بابا فرید شکر گنج** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1986)، 140۔

[26] عام طور پر جماعت خانے میں سب لوگ زمین پر ہی سوتے تھے تاہم یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھار نئے آنے والوں کے لیے چارپائی کا انتظام بھی کر دیا جاتا تھا۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمد بن مبارک کرمانی، **سیرت الاولیاء** (دہلی: محب ہند پریس، 1302ھ)، 107۔

CC BY

> ازمنہ وسطی کے مسلمان صوفیاء اجتماعی زندگی پر بہت زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ترکِ دنیا کر کے مجاہدہ نفس تصوف کے اعلی تصورات کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف انسان میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اس سے اس کی ہمدردیاں محدود ہو جاتی ہیں، اور معاشرتی زندگی کے عملی دھاروں سے وہ بالکل کٹ جاتا ہے اس لیے خانقاہیں اور جماعت خانے بنواتے تھے جہاں مختلف مزاجوں اور مختلف رجحانات کے اشخاص آپس میں ملنا جلنا اور ایک ساتھ رہنا سیکھتے تھے۔ شخصیتیں سلسلے کی روح کے مطابق ڈھالی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں انہیں تلقین اور عمل سے تمام انسانی اسباق سے سب سے زیادہ مشکل سبق سکھایا جاتا تھا کہ انسان کی تمام خواہشات اخلاقی اور روحانی تصورات کے ماتحت اور تابع ہیں۔ مشترکہ تکلیفیں اور ریاضتیں بہترین اوصاف کو اجاگر کرتی تھیں، اور انہیں بتاتی تھیں کہ محبت الٰہی کی کیا اہمیت ہے۔[27]

جامعی نے جس طرح جماعت خانے کی اہمیت کو واضح کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جماعت خانے اس وقت کے لوگوں کے تربیتی مراکز تھے جہاں رہ کر وہ رفتہ رفتہ اپنی شخصیت میں نکھار پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور بطور انسان زندگی بسر کرنے کے گر سیکھا کرتے تھے۔ وہاں ان کی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی تربیت کے لیے صوفیا کی صورت میں اساتذہ موجود ہوتے تھے جو اس امر کو یقینی بنانے کی کوشش کرتے تھے کہ سالک اپنی زندگی کو مفید کاموں پر صرف کرنا سیکھے۔

جماعت خانوں اور خانقاہوں کی اہمیت اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ یہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے مل بیٹھنے کی جگہ سمجھی جاتی تھیں۔ یہاں رنگ، نسل و مذہب سے بالاتر ہو کر لوگ ایک دوسرے کے درد و غم میں شریک ہوتے تھے۔[28] بابا فرید کا مقصد وحید بھی لوگوں کو مسلمان کرنا نہیں تھا[29] بلکہ ان کے درمیان بھائی چارے کو فروغ دے کر باہمی ہم آہنگی پیدا کرنا بھی تھا۔[30] آدی گرنتھ میں شامل بابا فرید کے اشلوکوں کا موضوع بھی خدا کی محبت، نفس کی پاکیزگی، استغفار اور توبہ وغیرہ کا بیان ہے۔[31] بلونت سنگھ

---

[27] جامعی، حضرت بابا فرید شکر گنج، 51

[28] Asgharali Engineer, *Communalism in secular India: a minority perspective* (Delhi: Hope India Publication, 2007), 43.

[29] Nizami, *The Life and Times of Shaikh Farid-u'd-Din Ganj-i-Shakar*, 107.

[30] اگرچہ لوگوں کو مسلمان کرنا چشتی صوفیا کا مقصد نہیں تھا تاہم بابا فرید کی زندگی سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ کچھ غیر مسلموں نے ان کے سامنے خود کو مسلمان ظاہر کیا تو انہوں نے ان کے سردار کو قید کر لیا اور اسے کہا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ تاہم یہ بات بابا فرید کے مریدین کے لیے حیرت کا باعث بنی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ مسلمان ہی ہیں۔ اگرچہ اس واقعے کے بارے میں مفصل معلومات راقم الحروف کو نہیں مل سکیں تاہم اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسے واقعات بھی ہوتے رہے ہیں جن میں بابا فرید نے خود لوگوں کو مسلمان ہونے کے لیے کہا ہے۔ دیکھیے: ibid.

[31] آدی گرنتھ: اشلوک شیخ فرید کے

CC BY

آنند، بابا فرید کی شاعری کا تجزیہ پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان کے کلام میں صرف اخلاقیات کا بیان ہی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک ایسی گہرائی ہے جو اپنے آپ میں انسانیت، انصاف اور محبت لیے ہوئے۔ ان کا ہر ایک شعر ایک گوہر نایاب ہے جس سے روشنی کی کرنیں اس طرح پھوٹتی ہیں کہ ہر کرن اپنے اندر مکمل فلسفہ حیات سموئے ہوتی ہے۔[32] دیوان فرید میں شامل اشعار بھی اللہ کی محبت، آخرت کی فکر، دوسروں کی دلجوئی، اخلاقیات کی پاسبانی اور انسانیت کی خدمت کا درس دیتے ہیں۔ مثلاً بابا فرید کہتے ہیں کہ:

فرید ا (بندے رب دے) تنے ٹول کرین مٹھا بولن، نوا چلن، ہتھوں بھی کچھ دین[33]

درج بالا شعر ان کی سوچ اور فکر کی عکاسی کرتا ہے۔ اس شعر میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ خدا کے جو بندے ہیں ان میں تین صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ جب بولتے ہیں تو میٹھا بولتے ہیں۔ جب چلتے ہیں تو عاجزی اختیار کرتے ہیں اور جب کسی مستحق کو دیکھتے ہیں تو اپنے ہاتھ سے ان کو دیتے ہیں۔ جگجیت سنگھ بابا فرید کے اشعار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ **آج آدی گرنتھ** میں شامل بابا فرید کی تعلیمات سکھ مذہب کے پیروکاروں کے لیے ان کے گروؤں کے اقوال کے برابر درجہ رکھتی ہیں۔[34] ٹریلوچن سنگھ قم طراز ہیں کہ گرونانک اور سکھ گروؤں کو بھگتوں اور بابا فرید کے کلام میں "اپنے مذہب کی مکمل شناخت نظر آئی" جس کی وجہ سے اسے سکھ مت کا ایک جزو بنا دیا گیا۔[35] واضح طور پر یہ بابا فرید کے اشعار کی عالمگیریت ہی ہے جس نے ان کے کلام کو ایک دوسرے مذہب کی مقدس کتاب میں شامل کروا دیا۔ نصیر احمد جامعی نے بھی بابا فرید کے جن ملفوظات کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے ان میں بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو براہ راست عقائد سے متعلق ہو۔[36] انہوں نے بابا فرید کی شخصیت کے غالب رنگ یعنی روحانیت اور اخلاقیت ہی کو ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند اقوال درج ذیل ہیں:

1. ایسی چیز فروخت کرنے کی مت کوشش کرو جو لوگ خریدنا نہ چاہیں۔
2. کسی جگہ بھی موت کو مت بھولو۔
3. مذہب کا کوئی بدل نہیں ہے۔ ملک کو خدا ترس وزیر کے حوالے کرو۔
4. اگر تم عظمت چاہتے ہو تو مظلوموں سے ملو جلو۔

---

[32] Balwat Singh Anand, *Makers of Indian Literature: Baba Farid* (New Delhi: Sahitya Akademi, 1975), 94.

[33] ظہور احمد اظہر، **معارف فریدیہ: دیوان بابا فرید مسعود گنج شکر** (لاہور: مرکز معارف اولیا، 2005)، 308

[34] Jagjit Singh, *Dynamics of Sikh Philosophy* (Chandigarh: Institute of Sikh Studies, 1999), 111.

[35] Singh Trilochan, *Ernest Trumpp and W.H. McLeod as Scholars of Sikh History, Religion, and Culture* (Chandigarh: International Center of Sikh Studies, 1994), 120.

[36] یہاں یہ ثابت کرنا مراد نہیں کہ بابا فرید کو عقائد سے دلچسپی نہ تھی یا وہ عقائد کی تعلیمات نہیں دیا کرتے تھے بلکہ یہاں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ ان کی تعلیمات میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور فکر آخرت کے بعد سب سے زیادہ زور اخلاقیات پر دیا جاتا تھا۔

OPEN ACCESS

5. اس طرح لڑائی جھگڑا نہ کرو جس میں مصالحت کی گنجائش نہ رہے۔[37]

درج بالا اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ بابا فرید کی تعلیمات اخلاقیات کا پرچار ہیں۔ وہ ایک طرف تو معاشرتی اقدار کی بات کرتے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف انسان کو اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاید انہوں نے بہت پہلے یہ جان لیا تھا کہ انسان میں مادیت پرستی اس حد تک پہنچ جائے گی کہ وہ یا تو خدا کا منکر ہو جائے گا یا فرعون و نمرود کی طرح خدائی کا دعوی کرنے لگے گا۔ اس طرح وہ لا دینیت، سیکولرازم اور دہریت سے انسان کو بچنے کا مشورہ دیتے ہیں اور ایک مذہبی زندگی گزارنے کے حامی ہیں۔ بابا فرید اپنی تعلیمات کے ذریعے توازن اور اعتدال کو فروغ دیتے ہیں۔ وہ انسان کو بطور انسان اس معاشرے میں رہنا بھی سکھاتے ہیں اور آنے والی زندگی کی تیاری رکھنے کی بھی تلقین کرتے ہیں۔

ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے مسلمان صوفی تھے جن کے متعلق واضح طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے نہ صرف ہندو مفکرین سے خوشگوار تعلقات تھے بلکہ اکثر و بیشتر ان کے ساتھ مذہبی موضوعات پر بات چیت بھی رہا کرتی تھی۔ گربچن سنگھ طالب لکھتے ہیں کہ بابا فرید اور دیگر صوفیا نے جو منہج اختیار کیا وہ براہ راست لوگوں کے دلوں کو چھوتا تھا۔ انہوں نے صرف زبان ہی سے لوگوں کے دل میں گھر نہیں کیا بلکہ ان کی عملی زندگی بھی اسی پاکیزگی کا مظہر ہے۔[38] بابا فرید کے جماعت خانے کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھلے تھے۔ یہیں ان کے خلیفہ شیخ نظام الدین اولیا (1238-1325) نے بھی ہندو یوگیوں سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ انسانی فطرت میں موجود روحانی و حیوانی عناصر پر گفتگو کی۔ اس موضوع پر ہندو یوگیوں کے خیالات کو شیخ نظام الدین نے کافی سراہا۔[39] ان خانقاہوں کا مقصد چونکہ غربا، فقرا اور اہل شوق کی تسکین تھا اس لیے بابا فرید کی خانقاہ پر سیاسی اثر رسوخ اپنا رنگ نہیں جما سکا۔ وہ اس بات کے بھی خلاف تھے کہ خانقاہوں کی تعمیر تک کے لیے ہی سلاطین کی مدد لی جائے۔[40]

اگرچہ 1265 میں بابا فرید اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے تاہم آج بھی پاک پتن میں موجود بابا فرید کی درگاہ کے دروازے تمام مذاہب کے پیروکاروں کے لیے کھلے ہیں اور لوگ وہاں جوق در جوق اکٹھے ہوتے ہیں جن میں مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ بابا فرید کے عرس کے موقع پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سکھوں کی ایک قابلِ ذکر تعداد شریکِ محفل ہوتی ہے۔ گذشتہ دو سالوں سے بابا فرید ایجوکیشنل و ویلفیر ٹرسٹ، پاکپتن شریف کے زیر انتظام ہونے والی عوامی طرز کی کانفرنسوں میں باقاعدگی سے مختلف مذاہب کے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے جن میں ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی مفکرین شامل ہوتے ہیں۔ اس

---

[37] جامعی، **حضرت بابا فرید شکر گنج**، 137-141

[38] Gurbachan Singh Talib, *Baba Sheikh Farid Shakar Ganj* (New Delhi: National Book Trust, 1974), 38.

[39] امیر حسن سنجری، **فوائد الفواد**، مترجم خواجہ حسن ثانی نظامی (لاہور: الفیصل، 2011)، 241

[40] محمد علی اصغر چشتی، **جواہر فریدی**، مترجم فضل الدین نقشبندی (پاکپتن: مکتبہ بابا فرید، س۔ن)، 305

OPEN ACCESS
CC BY

اکٹھ کا مقصد بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینا ہوتا ہے۔[41] اسی موقع پر ایک انٹرویو میں سردار جنم سنگ رجویر جو ننکانہ صاحب کے رہائشی ہیں اور گردوارے کے متولی ہیں نے راقم الحروف کو بتایا کہ بابا فرید کی شخصیت مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں تینوں میں غیر متنازع ہے۔لہذا ان کی تعلیمات باہمی تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دینے اور محبت و اخوت کے رشتے استوار کرنے میں مددگار ہیں۔[42] اگرچہ مزارات پر حاضری کے متعلق مسلمان مختلف الآرا ہیں تاہم یہ مزارات مختلف مذاہب کے لوگوں کو ملنے جلنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔لہذا ان کے ذریعے مکالمہ بین المذاہب اور باہمی تعلقات کے فروغ کے عمل میں تیزی لائی جاسکتی ہے۔

تعلیماتِ بابانانک

"نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان"

بابانانک 1469 میں تلونڈی میں ایک کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔[43] ان کے والد کالورام بیدی، ایک تاجر تھے۔ جب بابانانک پیدا ہوئے تو خاندانی نجومی نے عندیا دیا کہ یہ بچہ پیغمبرانہ اوصاف لیے ہو گا۔[44] ان کی ابتدائی تعلیم کے متعلق اختلاف ہے۔ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ غیر تعلیم یافتہ تھے۔[45] دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگرچہ انہیں اسکول تو بھیجا گیا تھا تاہم وہ وہاں کی پڑھائی میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے اس لیے انہوں نے اپنی تعلیم مکمل نہیں کی۔البتہ ذاتی طور پر گرونانک نے قرآن پاک اور شاستروں، دونوں کا علم حاصل کیا ۔ کچھ عرصہ تک وہ ہندو مسلم دونوں مذاہب کے اساتذہ سے بھی تعلیم حاصل کرتے رہے۔[46] حق کی تلاش میں انہوں نے مختلف علاقوں کا سفر کیا اور ہندومت اور اسلام دونوں مذاہب کی تعلیمات سے استفادہ کیا۔ انہوں نے نہ صرف سنسکرت سیکھی بلکہ عربی اور فارسی بھی ان کے لیے اجنبی نہ تھی۔ ابتدا ہی سے وہ مذہبی موضوعات پر گفتگو کرنے کے شائق تھے۔[47] اس سے پتہ چلتا ہے کہ بابانانک نے بابا فرید کی طرح پہلے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی اور پھر صوفیا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا کی سیاحت کی تاکہ ایک طرف تو وہ کتب کے ذریعے انسانی معاشرے کی اقدار، اخلاقیات، اور مشکلات کے علمی پہلوؤں کو سمجھ لیں اور دوسری طرف عملی طور پر سیر وسیاحت کے ذریعے اپنے دور کے حالات کا جائزہ بھی لے لیں۔ جب

---

[41] راقم الحروف خود گذشتہ دوسال سے اس کانفرنس کی انتظامی ذمہ داری سرانجام دے رہاہے۔

[42] انٹرویو، سردار جنم سنگھ رجویر از ذوہیب احمد، بمقام، دی یونیورسٹی آف لاہور، پاکپتن کیمپس، 9-9-2018

[43] کچھ محققین کا خیال ہے کہ بابا گرونانک تلونڈی کی بجائے لاہور سے 15 میل دور ایک مقام، کاناکچ میں پیدا ہوئے۔

[44] Ishar Singh, *The Philosophy of Guru Nanak* (Delhi: Atlantic Publishers, 1969), 15.

[45] Hari Ram Gupta, *History of the Sikhs: The Sikh Gurus, 1469-1708*, vol. 1 (Delhi: Munshirm Manoharlal Pub Pvt Limited, 1984), 27.

[46] امجد، **تاریخ سکھ مت**، ص9-10

[47] Banerjee Anil Chandra, *Guru Nanak And His Time* (Patiala: Punjabi University, 1984), 32.

ان کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی ایک دفعہ وہ نہانے کے لیے دریا پر گئے۔ انہوں نے غوطہ لگایا اور پانی کے اندر اتر گئے۔ جب کافی دیر تک وہ واپس نہ ابھرے تو لوگوں نے اندازہ لگایا کہ شاید وہ ڈوب گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تین دن بعد وہ دریا سے نکلے اور اونچی آواز سے کہنے لگے: "نہ کوہندو ہے، نہ کو مسلمان ہے"[48] اس قول کے مختلف معانی لیے جاتے ہیں:

1. اسلام اور ہندومت میں کوئی فرق نہیں ہے۔
2. یہ کہہ کر بابا نانک نے انسانوں کے درمیان مذہب اور ذات کی بنیاد پر قائم کردہ تفریق کی نفی کر دی تاکہ لوگ مذہب اور ذات سے ماورا ہو کر ایک دوسرے کو سمجھیں۔

اس واقعے کے بعد انہوں نے گھر بار چھوڑ دیا اور اپنی جائیداد غربا میں تقسیم کر کے اپنے اہل و عیال سے رخصت طلب کی تاکہ راہ میں حائل دشواریوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو سکیں۔[49] انہوں نے اپنی زندگی کے 35 سال سفر میں گزارے جو کہ ان کی زندگی کا تقریباً نصف بنتا ہے۔[50] اپنے اس سفر کے دوران انہوں نے بنارس، کشمیر، مکہ، مدینہ، بغداد، مصر، اور ترکی سمیت بہت سے ممالک کا دورہ کیا۔ جب وہ مکہ پہنچے تو جلد ہی لوگوں کو علم ہو گیا کہ وہ ایک ہندو ہیں۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں سے کون اچھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بات ہندو یا مسلم کی نہیں بات اچھے اعمال کی ہے۔ جو بھی اچھے اعمال کرتا ہے وہ مالک کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح کی حکمت ہے جس کا اظہار مختلف ادوار میں مختلف لوگ کرتے رہے ہیں[51] کہ نام کا مسلمان، عیسائی، سکھ یا ہندو ہونا انسان کی اصل نہیں بلکہ اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے انسانیت کو یاد رکھنا اور اخلاقی اقدار کو روبہ زوال نہ ہونے دینا ہی بندگی کی معراج ہے۔

بابا نانک نے ایک سال مکہ میں اور چھ ماہ بغداد میں گزارے۔ کہا جاتا ہے کہ بغداد میں ان کے مرشد ایک مسلمان بزرگ تھے جن کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی اور چھ ماہ تک ان کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔[52] انہوں نے دوبار پاکپتن میں بابا فرید کی درگاہ پر بھی حاضری دی۔ پاکپتن میں ان کی ملاقات فرید ثانی یعنی شیخ ابراہیم سے ہوئی[53] جو بابا فرید کے خلف میں سے تھے۔ روایات کے مطابق ان کے ساتھ بابا نانک نے دس سال تک پنجاب کے مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مشہور

---

[48] Sahib, Singh Wachetar, *Jeawan Guru Nanak*, (Patiala: Patiala University, 1969), 213.

[49] G.S. Chauhan and Meanalshi Rajan, *Shari Guru Nanak life ,Travels and Teachings* (New Delhi: Singh Brothers, 2012), 26.

[50] Syed Afzal Haider *Baba Nanak* (Islamabad: Dost Publishers), 77.

[51] مثلاً دیکھیے مشہور جرمن شاعر لیسنگ (1729-1781) کا ڈرامہ جس میں اس نے ناتھن کے کردار کے ذریعے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مذہب کی سچائی اس کے پیروکاروں کی سچائی اور دیانت داری پر منحصر ہے۔

Lessing Gotthold Ephraim, *Nathan the wise* (Philadelphia: D. McKay).

[52] امجد، **تاریخ سکھ مت**، 16

[53] Nizami, *The Life and Times of Shaikh Farid-u'd-Din Ganj-i-Shakar*, 121.

CC BY

صوفی بزرگوں شیخ عبد القادر جیلانی، (1078-1166) شیخ معین الدین چشتی اور شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (1183-1262) کی درگاہوں پر بھی وقت گزارا۔

سفر ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا کیونکہ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے مل کر درس و تدریس کا کام جاری رکھ سکتے تھے۔ وہ ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جہاں ذات پات کا نظام رائج تھا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ انہوں نے فرید اور کبیر جیسے لوگوں سے میل ملاقات کی راہ ہندو معاشرے میں رہتے ہوئے بھی نکالی جن کے لیے مسلمان پنچ ذات کے لوگ تھے۔[54] یہ صرف اوپری، بے حس، اور وضعی ملاقاتیں نہیں تھی بلکہ اس میں بابا نانک کی علم اور معرفت کے لیے تڑپ اور شوق کی عملی جدوجہد کا ثبوت بھی واضح نظر آتا ہے۔ اسی لیے انہیں جب ان بزرگوں کے اقوال میں سچائی اور انسانیت نظر آئی تو انہوں نے ان تعلیمات کو سکھ مت کی مذہبی کتاب، **آدی گرنتھ**، کا حصہ بنا دیا۔ **آدی گرنتھ** کے مشمولات بھی مجموعی طور پر مناظرے کے برعکس مکالمے کی فضا قائم کرتے ہیں اور توحید، خدا، ذات پات سے چھٹکارے، انسانیت کی محبت، اعمال صالحہ کی طرف رغبت اور اعمال سیہ سے روکنے کی تلقین سے بھرے پڑے ہیں۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ بابا فرید ہی کی طرح بابا نانک بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو پیٹر برگر (Peter Berger) نے معاشرے کے مصلحین تصور کیا ہے۔ ایسے لوگ اپنے معاشرے میں جاری مذہبی رسومات اور تعریفات کی روح تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور معاشرے سے تعلق توڑے بغیر مقدس منڈپ[55] (Sacred Canopy) کے تصور سے باہر آتے ہیں۔ صاحبِ **دبستان مذاہب** لکھتے ہیں کہ "نانک جس طرح مسلمانوں کی تعریف کرتا تھا، اسی طرح ہندوؤں کے اوتاروں اور دیوتاؤں اور دیویوں کی بھی تعریف کرتا تھا۔ لیکن ان سب کو مخلوق سمجھتا تھا، نہ کہ خالق اور حلول و اتحاد کا منکر تھا۔ کہتے ہیں کہ نانک کے ہاتھ میں مسلمان کی تسبیح تھی اور گردن میں زنار۔"[56] اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ بابا نانک کے ہاں مذہب کی ایک خاص اہمیت تھی اور جو کام انہوں نے کیا وہ کسی بھی طرح اسلام، ہندو مت یا سکھ مت کے لوگوں میں دوریاں تجویز نہیں کرتا بلکہ باہمی اخلاص و محبت کو بڑھاوا دیتا ہے۔ ان کی زندگی سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انہیں ذات پات کی گنجائش مذہب میں نظر نہ آئی بلکہ اس کے برعکس انہوں نے انسانیت کو منتخب کیا اور اس بات پر زور دیا کہ تمام انسان برابر ہیں۔ نہ صرف بابا نانک بلکہ بعد میں آنے والے سکھ گروؤں نے بھی ہندو مسلم اتحاد کی بات کی اور اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ انسانیت ہر حال میں قدرِ مشترک ہے۔[57] محمد اقبال (1877-1938) نے بانگ درا میں ایک مکمل نظم بعنوان "نانک" تحریر کی جس میں

---

[54] Sewa Singh Kalsi, *Sikhism*, ed. Ann Marie B. Bahr, Religions of the World (Philadelphia: Chelsea House, 2004), 19.

[55] پیٹر برگر کے بقول معاشرے میں مذہب کا بنیادی کام دنیا کی آبیاری ہے۔ بعض اوقات معاشرہ مذہبی طبقے کی فراہم کردہ مفاہیم کو قبول نہیں کرتا۔ اس طرح وہ اس مقدس منڈپ سے باہر آنے کی کوشش کرتا ہے جس کو مذہبی طبقے نے رواج دیا ہوتا ہے۔ اس بارے میں مزید جاننے کے لیے دیکھیے:
Peter L. Berger, *The Sacred Canopy* (New York: Doubleday & Co., 1967).

[56] کیخسرو اسفندیار، **دبستان مذاہب**، 228

[57] Eleanor Nesbitt, *Sikhism: A Very Short Introduction* (Oxford: Oxford University Press, 2005), 121.

OPEN ACCESS
CC BY

انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے باسیوں نے جب گوتم بدھ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا تو یہ نانک ہی تھے جنہوں نے ہندستانیوں کو غفلت سے جگایا۔[58] اسی کتاب میں انہوں نے اپنی نظم "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت" کو شروع ہی چشتی صوفیا اور بابا نانک کے مناقب سے کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

چشتی[59] نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا　　نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا　　جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے[60]

وطنیت پرستی کے اس جذبے، جس میں اقبال زندگی کے ابتدائی حصے میں گرفتار رہے، کو اگر نظر انداز کر کے ان اشعار کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ہندوستان کو معین الدین چشتی، جو بابا فرید کے بزرگوں میں سے تھے اور جنہوں نے ایک دفعہ بابا فرید کی محنت و لگن کو دیکھ کر کہا تھا کہ قطب الدین کے ہاتھ ایک شہباز عظیم آیا ہے،[61] اور بابا نانک، جو اتحاد و وحدت کے حامی تھے، جیسے بزرگوں نے سنوارا ہے۔ اقبال کے اشعار اس بات کا بھی اظہار ہیں کہ باہمی اخلاص و محبت کے حصول کے لیے ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔

مزید یہ کہ جس طرح بابا نانک نے ذات پات کی نفی کر کے انسانیت کا پرچار کیا ہے اسی طرح اسلام نے بھی معاشرے میں جاری ذات پات کے نظام کی نفی کی ہے اور اس بات کو اونچا رکھا ہے کہ کوئی بھی امت حتیٰ کے مسلمان بھی "منتخب شدہ"[62] لوگ نہیں بلکہ تمام انسان برابر ہیں۔ اگر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہے تو وہ صرف و صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔[63] یہاں یہ بات بھی

---

[58] محمد اقبال، **کلیات اقبال** (لاہور: سنگ میل، 2017)، 64-65

[59] محققین وضاحت کرتے ہیں کہ اس شعر میں چشتی سے مراد خواجہ معین الدین چشتی ہیں جنہوں نے ہندوستان میں چشتی سلسلہ کی داغ بیل ڈالی۔ دیکھیں: محمد اقبال، **کلیات اقبال اردو**، مرتبہ سعید بزمی (لاہور: خزینہ علم و ادب، 2008)، 150

[60] اقبال، محمد، **کلیات اقبال**، 64-65

[61] محمد زکریا المدنی، **تاریخ مشائخ چشت** (لاہور: مکتبہ المظاہر، س۔ن)، 134

[62] یہودی خود کو خدا کی منتخب قوم سمجھتے ہیں (استثناء 7:6) اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ خدا کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑ بھی دیں تب بھی خدا ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا (احبار 26:44)۔ جبکہ اس کے برعکس اسلام میں اس قسم کے کسی نظریہ کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ نامور محقق اسماعیل فاروقی (1921-1986) لکھتے ہیں کہ اسلام نے امت کا لفظ ودیعت کیا ہے جو آفاقی ہے اور خود میں انسانیت کے وسیع مفہوم کو سموئے ہوئے ہے۔ اس لیے اسلام رنگ، نسل، اور منتخب قوم جیسے نظریات سے مبرا ہے۔ دیکھیے:
Ismail Raji Al-Faruqi, *Islam And Other Faiths* (Markfield: The Islamic Foundation, 1998), 327.

[63] قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتا ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُم عِندَاللهِ أَتقَاكُم یعنی (الحجرات 49:13) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ تکریم کے لائق وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ يَاأَيُّهَا النَّاسُ، أَلا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَ إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلا لا فَضْلَ لِعَرَبِيٍ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَ لا عَجَمِيٍ عَلَىٰ عَرَبِيٍّ، وَ لا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، وَ لاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ إِلاّ بِالتَّقوى۔ یعنی اے لوگو جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے۔ نہ عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ

CC BY

پیش نظر ہے کہ اگرچہ دونوں مذاہب کی مقدس کتب اور مذہبی شخصیات نے انہیں انسانی معاشرے میں امن امان قائم رکھنے کی تلقین پر عملی طور پر تیار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے تاہم پھر بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ دونوں مذاہب کے پیروکار ان تعلیمات کی دھجیاں بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ 1947 میں تقسیم ہند کے دوران ہونے والے خونریز سکھ مسلم فسادات اس بات کا عملی اظہار ہیں۔ تاہم اسکا قطعی یہ مطلب نہیں کہ یہ ان مذاہب کی تعلیمات کی کوتاہی تھی بلکہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مذہبی تعلیمات کو پسِ پشت ڈالنا ایسی ہولناکیوں کو جنم دیتا ہے۔ انسان اس وقت ایک ایسے روپ میں نظر آتا ہے جس کو افلاطون (427-347 ق م) مخفی درندے کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں،[64] سینٹ جارج (وفات 303) ایک خوفناک ڈریگن سے تشبیھ دیتے ہیں[65] اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خون کی طرح رگوں میں دوڑتے شیطان کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔[66] لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں، سکھوں اور باقی تمام مذاہب کے پیروکاروں کو آپس میں اتحاد و اتفاق رکھنا سیکھنا ہو گا۔ بقول خواجہ حسن ثانی نظامی صدہا باتیں سکھوں اور "مسلمانوں میں مشترک ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سکھ مسلمان ہے۔ اور مسلمان سکھ ہیں۔ اور وقت آرہاہے کہ گذشتہ سیاسی جھگڑوں کو یہ دونوں قومیں فراموش کر دیں اور ہندوستان کے دو بازو ہو کر زندگی بسر کریں۔"[67]

بابانانک نے انسانیت کے ساتھ ساتھ توحید کی تعلیم دی اور بتوں کی پرستش سے منع کیا۔ این امجد جی نے بطور خاص اس بات کا ذکر کیاہے کہ گردواروں اور سکھ عبادت گاہوں میں سوائے گرنتھ صاحب کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ گرنتھ صاحب ان اقوال اور تعلیمات کا مجموعہ ہے جو بابانانک اپنے پیروکاروں کو دیا کرتے تھے۔ انہیں مسلمانوں سے بہت محبت تھی[68] تاہم وہ مسلمانوں اور

کالے کو گورے پر، اگر کسی کو کسی دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔ اس موضوع پر مفصل معلومات کے لیے دیکھیے: ابن حزم الاندلسی، **حجۃ الوداع**، (ریاض: بیت الافکار الدولیۃ للنشر والتوزیع، 1998)

[64] افلاطون کہتاہے کہ انسان کی فطرت میں ایک وحشی درندہ چھپا بیٹھاہے۔ یہ اس قدر خوفناک ہے کہ جب انسان سو جاتاہے تب بھی یہ باطن کے دریچوں سے جھانکتاہے۔ یہ درندہ بدمست ہو کر ہر قسم کی زیادتیوں کا ارتکاب کرتاہے۔ کوئی ایسا جرم نہیں چاہے وہ کتنا سنگین اور شرمناک ہو (مثلاً والدین کا قتل ہو یا زنا کا ارتکاب) کرنے سے نہیں چوکتا۔ یہ درندہ اگر پر سکون رہے اور محو خواب رہے تو انسان ان جرائم کے ارتکاب سے بچ جاتاہے۔ اس کے خیال میں اس درندے سے بچنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان کی "اخلاقی ضروریات کے لیے ایک ایسی قوت کا جواز ڈھونڈا جائے۔ جو فطرت سے ماوری ہو۔" دیکھیے: ول ڈیورانٹ، **داستان فلسفہ: جلیل القدر فلسفیوں کی سوانح وافکار**، مترجم، عابد علی (لاہور: فکشن ہاؤس، 2010)، 69

[65] سینٹ جارج یہ بات واضح کرتاہے کہ انسان کے اندر ایک ڈریگن موجود ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس کو ذبح کر ڈالے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ یہ ڈریگن انسان کو ذبح کر دیتاہے۔ دیکھیے:
Whitall N. Perry, "The Dragon that Swallowed St. George," *Studies in Comparative Religion* 10, no. 3 (1976).

[66] مسلم بن حجاج القشیری، **صحیح المسلم**، (بیروت،: دار الکتب العلمیہ، 1991)، باب بَيَانِ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ لِمَنْ رُئِيَ خَالِيًا بِامْرَأَةٍ وَكَانَتْ زَوْجَةً أَوْ مَحْرَمًا لَهُ، 1712، رقم الحدیث 2174

[67] خواجہ حسن نظامی، **سکھ قوم اور اس کے بانی کی نسبت مسلمانوں کی محبت آمیز رائے**، (حیدر آباد، انٹرنیشنل سکھ سنٹر فار انٹر فیتھ ریلیشنز، س ن)، 5

[68] مثلاً ٹی ایل وسوانی کے مطابق "گوروجی اور حضرت فرید ثانی اکٹھے سفر کرتے رہے اور اس طرح دس سال تک پیغام حق پہنچاتے رہے۔ جیسا ان کا بیان ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ گورونانک صاحب کا مذہب ملاپ اور ایکتا کا مذہب تھا۔ اس لیے انہوں نے اسلام کی تعلیم میں جو کچھ دیکھا وہ ہندوؤں کو بہت کم نظر آتاہے۔ گوروجی کو مسلمانوں سے میل جول کرنے سے لذت معلوم ہوتی تھی"۔ اس موضوع پر تفصیلات کے لیے دیکھیے: امجد، **تاریخ سکھ مت**، 12-15

OPEN ACCESS

ہندوؤں میں عدم برداشت کے رویے کو پسند نہیں کرتے تھے۔[69] وہ انسانیت کے علمبردار تھے اور اس کے تحفظ ہی کی بات کیا کرتے تھے۔ ان کا مذہب خدائے واحد کی عبادت اور بھائی چارے کا فروغ تھا۔[70] مشیر الحق اپنی ایک تحریر میں مسلمانوں کے دلوں میں موجود بابا نانک کی محبت کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو پنجاب اور دوسرے علاقوں میں بستی ہے انہیں ایک روحانی بزرگ کی حیثیت سے جانتی ہے۔[71] وہ مزید لکھتے ہیں کہ سکھ ادب یہ بتاتا ہے کہ مسلمان ان کے حلقہ تدریس میں بیٹھا کرتے تھے اور ان کی علمی قابلیت سے استفادہ کرتے تھے۔ تاہم وہ اس بات کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ ان دروس میں مسلمانوں کو سکھ بنانے کے رجحانات کہیں نظر نہیں آتے۔[72] اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بابا فرید ہی کی طرح بابا نانک کا ترجیحی مقصد بھی لوگوں کو انسانیت کا درس دینا تھا نہ کہ ان کا مذہب تبدیل کروانا۔[73] ننکانہ صاحب میں واقع گردوارا نانک صاحب بھی بابا فرید کے مزار کی طرح مذہبی اور تاریخی حیثیت رکھتا ہے جہاں سکھوں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ گردوارا تاریخی اہمیت کا ہی حامل نہیں بلکہ ان کے لیے یہ جگہ بابا نانک کی شخصیت اور سکھ مت سے نسبت کی وجہ سے ایک روحانی اہمیت بھی رکھتی ہے۔ گردوارے کی انتظامیہ کی طرف سے طلبا اور مذہبی محققین کی راہنمائی کے لیے باقاعدہ سکھ گائیڈ مہیا کیے جاتے ہیں جو نہ صرف بابا نانک کی تعلیمات یعنی اخوت و انسانیت سے ان کو روشناس کرواتے ہیں بلکہ اسلام اور سکھ مت کے پیروکاروں میں باہمی تعاون اور اخلاص کو بھی فروغ دیتے ہیں۔

نتائج بحث

سرزمین ہندوستان کی زرخیزی صرف اس کے قدرتی وسائل حد تک محدود نہیں رہی بلکہ اس خطہ ارض نے بہت سے مذاہب کو، قطع نظر اس کے کہ انہوں نے اسی سرزمین میں جنم لیا یا باہر سے یہاں آئے، اپنے اندر پھلنے پھولنے کے بھرپور مواقع مہیا کیے۔ سکھ مت اپنی بعض رسومات کی وجہ سے ہندومت کے قریب تصور کیا جاتا ہے اور اپنے عقیدہ توحید اور تصوف کے ساتھ قربت کی وجہ سے اسلام سے مشابہت رکھتا ہے۔

---

[69] Sewaram Singh Thapar, *A Critical Study of the Life and Teachings of Sri Guru Nanak Dev* (Rawalpindi: Commercial Union Press, 1904), 122.

[70] Ibid., 123.

[71] Mushir-ul-Haq, "Muslim Attitude Towards Guru Nanak," in *Perspectives on Guru Nanak: Seminar Papers*, ed. Harbans Singh (Patiala: Punjabi University, 1999), 292.

[72] ہمیں ایک مردانہ نامی شخص کا پتہ چلتا ہے جو مسلمان تھا اور بعد میں گرونانک کا معتقد ہو گیا تھا۔ دیکھیے: Ibid., 293.

[73] اسلام بھی اسی بات کا درس دیتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ دیکھیے: القرآن 2: 256

OPEN ACCESS

سکھ مت کے آغاز کے متعلق مختلف آرا نے محققین کو کم از کم تین مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اس گروہ بندی نے عوامی اور علمی حلقوں میں مناظرانہ فضا کو جنم دیا ہے جس سے مذہبی ہم آہنگی اور بین المذاہب مکالمے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو کہ بابا فرید اور بابا نانک کی تعلیمات کے برعکس ہے۔

بابا فرید کی تعلیمات اخلاقیات اور بھائی چارے کا درس دیتی ہیں۔ مذہب، رنگ اور نسل سے بالاتر ہو کر انہوں نے لوگوں کو انسانیت کی خدمت کرنے کا درس دیا۔ ان کے جماعت خانے میں مختلف مذاہب کے لوگ رہا کرتے تھے اور آپس میں مختلف علمی و مذہبی موضوعات پر آزادانہ ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے تھے۔ سکھ مت کے پیروکاروں کو بابا فرید سے ایک خاص عقیدت ہے۔ **گرنتھ صاحب** میں شامل بابا فرید کے اشعار سکھوں کی چشتی صوفیا سے گہری انسیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بابا نانک کی زندگی اور تعلیمات سے بھی اس بات کا درس ملتا ہے کہ انہوں نے حق کے تلاش اور انسانیت کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شیخ ابراہیم کے ساتھ مل کر انہوں نے دس سال تک مختلف علاقوں کا سفر کیا اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ وہ ہندو، مسلم دونوں سے ملتے، دونوں کی بات سنتے اور انہیں آپس میں برابری اور اتحاد کا درس دیتے۔ ان کو تمام مذاہب کے پیروکاروں سے محبت تھی تاہم وہ لوگوں کے عدم برداشت کے رویے سے نالاں تھے۔ ان کا مقصد توحید کا بیان اور بھائی چارے کا فروغ تھا۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ان سے ایک روحانی بزرگ کے طور پر محبت کرتا ہے۔

دونوں بزرگوں کی زندگی سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایک طرف تو انہوں نے اپنے اپنے مذہب کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوطی سے جوڑے رکھا اور دوسری طرف توحید، انسانی اخلاقیات اور تصوف وغیرہ کو بنیاد بنا کر ایک ایسی فضا بھی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے کہ مختلف مذاہب کے لوگ نہ صرف ان کے حلقہ درس میں شامل ہوتے بلکہ آزادانہ مذہبی امور پر گفتگو کیا کرتے۔ ان کی تعلیمات نہ صرف علمی زندگی میں بلکہ عملی زندگی میں بھی رہنمائے منزل ہیں۔ وہ لوگوں کے مذہب تبدیل کروانے کی بجائے ان کی اخلاقی تربیت پر زوور دیتے تھے۔ فکر و نظر کی یہ یکسانیت مذہبی ہم آہنگی اور بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے کا سبب بن سکتی ہے۔

مزاراتِ اولیا، درگاہیں اور خانقاہیں ایسے مقامات ہیں جو آج کے دور میں بھی مختلف مذاہب کے لوگوں کی باہمی ملاقات اور میل جول کو فروغ دینے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مزار فرید اور گردوارا ننکانہ صاحب اس ضمن میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں کہ دور دراز علاقوں میں ہونے کے باوجود یہ مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مقامات پر قیام امن کے لیے ایسے پروگرام منعقد ہوں جن میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو بلایا جائے تاکہ دونوں مذاہب کے پیروکار عملی طور پر اس بات کا مشاہدہ کریں کہ مسلمانوں اور سکھوں میں

CC BY

ایسی مشترک اقدار موجود ہیں جو نہ صرف انہیں ایک دوسرے سے سیکھنے کے مواقع فراہم کرتی ہیں بلکہ محبت اور بھائی چارے کی فضا بھی قائم کرتی ہیں۔

حوالہ جات References

01 Asgharali Engineer, *Communalism in secular India: a minority perspective* (Delhi: Hope India Publication, 2007), 43.

02 Balwat Singh Anand, *Makers of Indian Literature: Baba Farid* (New Delhi: Sahitya Akademi, 1975), 94.

03 Banerjee Anil Chandra, *Guru Nanak And His Time* (Patiala: Punjabi University, 1984), 32.

04 Eleanor Nesbitt, *Sikhism: A Very Short Introduction* (Oxford: Oxford University Press, 2005), 121.

05 G.S. Chauhan and Meanalshi Rajan, *Shari Guru Nanak life ,Travels and Teachings* (New Delhi: Singh Brothers, 2012), 26.

06 Gerard Mannion and Mark Chapman, Interfaith Dialogue: Global Perspectives (New York: Palgrave Macmillan, 2016), vii.

07 Gurbachan Singh Talib, *Baba Sheikh Farid Shakar Ganj* (New Delhi: National Book Trust, 1974), 38.

08 Hamid Hussain, *Sufism and Bhakti Movement: Eternal Relevance* (Delhi: Manak Publications Private, Limited, 2007), 118.

09 Hari Ram Gupta, *History of the Sikhs: The Sikh Gurus, 1469-1708*, vol. 1 (Delhi: Munshirm Manoharlal Pub Pvt Limited, 1984), 27.

10 Ishar Singh, *The Philosophy of Guru Nanak* (Delhi: Atlantic Publishers, 1969), 15.

11 Ishtiaq Ahmed, *The Politics of Religion in South and Southeast Asia* (New York: Taylor & Francis, 2011), 78.

12 Ismail Raji Al-Faruqi, *Islam And Other Faiths* (Markfield: The Islamic Foundation, 1998), 327.

13 Jagjit Singh, *Dynamics of Sikh Philosophy* (Chandigarh: Institute of Sikh Studies, 1999), 111.

14 Jagraj Singh, *A Complete Guide to Sikhism* (Unistar Books, 2009), 188.

15 Kaj Björkqvist et al., "Physical, verbal, and indirect aggression among Hindu, Muslim, and Sikh adolescents in India," in *Prevention and Control of Aggression and the Impact on its Victims*, ed. Manuela Martinez (Boston, MA: Springer US, 2001), 374.

16 Khaliq Ahmad Nizami, *The Life and Times of Shaikh Farid-u'd-Din Ganj-i-Shakar* (Aligarh: Muslim University Aligarh, 1955), 121.

17 Lessing Gotthold Ephraim, *Nathan the wise* (Philadelphia: D. McKay).

18 McLeod, "The Influence of Islām upon the Thought of Gurū Nānak," 306-07.

19 Michael Angelo, *The Sikh Diaspora: Tradition and Change in an Immigrant Community* (New York: Garland Pub., 1997), 182.

20 Mushir-ul-Haq, "Muslim Attitude Towards Guru Nanak," in *Perspectives on Guru Nanak: Seminar Papers*, ed. Harbans Singh (Patiala: Punjabi University, 1999), 292.

21 Nizami, *The Life and Times of Shaikh Farid-u'd-Din Ganj-i-Shakar*, 107.

22 Paul R. Brass, *Language, Religion and Politics in North India* (Lincoln: Universe, 2005), 282.

23 Peter L. Berger, *The Sacred Canopy* (New York: Doubleday & Co., 1967).

24 Rajinder Kaur Rohi, *Semitic and Sikh Monotheism: A Comparative Study* (Patiala: Publication Bureau, Punjabi University, 1999).

25 Rajwant Singh Chilana, *International Bibliography of Sikh Studies* (Dordrecht: Springer Netherlands, 2005), 429; Satwant Kaur Rait, *Sikh Women in England: Their Religious and Cultural Beliefs and Social Practices* (Oxford: Trentham Books and the Community Religions Project, 2005), 1; Fabrizio Ferrari, *Health and Religious Rituals in South Asia: Disease, Possession and Healing* (New York: Taylor & Francis, 2011), 49.

26 Robina Shoeb, Tauqeer Ahmad Warriach, and Muhammad Iqbal Chawla, "Mughal-Sikh Relations: Revisited," *Journal of Research Society Pakistan* 52, no. 2 (2015): 165.

27 Sahib, Singh Wachetar, *Jeawan Guru Nanak*, (Patiala: Patiala University, 1969), 213.

28 Sewa Singh Kalsi, *Sikhism*, ed. Ann Marie B. Bahr, Religions of the World (Philadelphia: Chelsea House, 2004), 19.

29 Sewaram Singh Thapar, *A Critical Study of the Life and Teachings of Sri Guru Nanak Dev* (Rawalpindi: Commercial Union Press, 1904), 122.

30 Singh Trilochan, *Ernest Trumpp and W.H. McLeod as Scholars of Sikh History, Religion, and Culture* (Chandigarh: International Center of Sikh Studies, 1994), 120.

31 Stephen N Hay, *Sources of Indian Tradition*, 539.

32 Surinder Singh Bakhshi, *Sikhs in the Diaspora* (Birmingham: Sikh Publishing House, 2009), 10.

CC BY

33 Syed Afzal Haider *Baba Nanak* (Islamabad: Dost Publishers), 77.

34 Tarak Barkawi, *Soldiers of Empire* (Cambridge: Cambridge University Press, 2017), 24; Lucius Boraks, *Religions of the East* (Kansas: Rowman & Littlefield Publishers, Incorporated, 1988), 53.

35 Vinayak Damodar Savarkar, *Hindutva: Who is a Hindu?* (Bombay: Veer Savarkar Prakashan, 1969).

36 W. H. McLeod, "The Influence of Islām upon the Thought of Gurū Nānak," *History of Religions* 7, no. 4 (1968).

37 W.H. McLeod, *The A to Z of Sikhism* (Lanham: Scarecrow Press, 2009), xxi.

38 W.T.D.B. Stephen N Hay, *Sources of Indian Tradition* (Delhi: Motilal Banarsidass Publishers (Pvt. Limited), 1988), 539.

39 Whitall N. Perry, "The Dragon that Swallowed St. George," *Studies in Comparative Religion* 10, no. 3 (1976).

40 Yoginder Sikand, "Sikh-Muslim Harmony: Contributions of Khwaja Hasan Nizami," *Economic and Political Weekly* 39, no. 11 (2004): 1113.

41 ابن حزم الاندلسی، **حجۃ الوداع**، (ریاض: بیت الافکار الدولیۃ للنشر والتوزیع، 1998)

42 امیر حسن سنجری، **فوائد الفواد**، مترجم خواجہ حسن ثانی نظامی (لاہور: الفیصل، 2011)، 241

43 انٹرویو، سردار جنم سنگھ رجویر از ذوہیب احمد، بمقام، دی یونیورسٹی آف لاہور، پاکپتن کیمپس، 9-9-2018

44 این امجد جی، **تاریخ سکھ مت** (لاہور: اسلامی مشن، 1982)، 6۔

45 خواجہ حسن نظامی، **سکھ قوم اور اس کے بانی کی نسبت مسلمانوں کی محبت آمیز رائے**، (حیدرآباد، انٹرنیشنل سکھ سنٹر فار انٹر فیتھ ریلیشنز، س ن)، 5

46 خواجہ دل محمد، **جب جی اور سکھ منی صاحب** (امرتسر: چھجو رام مالک جے گوپال بک ڈپو، س۔ن)، 3

47 ظہور احمد اظہر، **معارف فریدیہ: دیوان بابا فرید مسعود گنج شکر** (لاہور: مرکز معارف اولیا، 2005)، 308

48 القرآن 2: 256

49 القرآن 4:36; القرآن 25:21

50 کیخسرو اسفندیار، **دبستان مذاہب** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2002)، 228

51 محمد اقبال، **کلیات اقبال** (لاہور: سنگ میل، 2017)، 64-65

OPEN ACCESS CC BY

52 محمد اقبال، **کلیات اقبال اردو**، مرتبہ سعید بزمی (لاہور: خزینہ علم و ادب، 2008)، 150

53 محمد بن مبارک کرمانی، **سیرت الاولیاء** (دہلی: محب ہند پریس، 1302ھ)، 107

54 محمد زکریا المدنی، **تاریخ مشائخ چشت** (لاہور: مکتبہ المظاہر، س۔ن)، 134

55 محمد علی اصغر چشتی، **جواہر فریدی**، مترجم فضل الدین نقشبندی (پاکپتن: مکتبہ بابا فرید، س۔ن)، 305

56 مسلم بن حجاج القشیری، **صحیح المسلم**، (بیروت،: دار الکتب العلمیہ، 1991)، باب بَیَانِ أَنَّہُ یُسْتَحَبُّ لِمَنْ رُئِيَ خَالِیًا بِامْرَأَۃٍ وَکَانَتْ زَوْجَۃً أَوْ مَحْرَمًا لَہُ، 1712، رقم الحدیث 2174

57 نصیر احمد جامعی، **حضرت بابا فرید شکر گنج** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1986)، 140

58 ول ڈیورانٹ، **داستان فلسفہ: جلیل القدر فلسفیوں کی سوانح و افکار**، مترجم، عابد علی (لاہور: فکشن ہاؤس، 2010)، 69

OPEN ACCESS
CC BY